© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

بے لگام میڈیا۔۔۔۔۔۔۔
پاکستانی معاشرے کی بربادی کا باعث!

رئیس التحریر کے قلم سے

انسانی سرگرمیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ کوئی نئی بات یا معلومات تلاش کرتا ہے ۔حاصل ہونے پر جلد از جلد دوسروں تک پہنچا کر تحسین وصول کرتا ہے۔عرف عام میں یہ بات یا معلومات خبر کہلاتی ہے۔ پہلے وقتوں میں یہ خبر یا اخبار ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں وقت لگتا۔ اس کے ذرائع یا تو ڈاک ہوتی یا وہ تجارتی قافلے ہوتے ۔جو تجارت کی غرض سے مختلف شہروں کے درمیان نقل مکانی کرتے ۔یہی لوگ ان خبروں کو بیان کرتے ۔اور لوگوں کو آگاہی ہوتی ۔ وقت کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ میں انقلابی تبدیلیاں آگئیں ۔اور اس برق رفتا دور میں تو ساری حدیں پار ہوگئیں۔اب ایک جگہ کی خبر دنیا کے دوسرے کونے میں لمحوں میں پہنچ جاتی ہے۔اور یہ خبر محض ایک زبانی بیان ہی نہیں بلکہ باتصاویر مکمل رپورٹ ہے۔یہی وجہ ہے کہ اب لوگ پوری دنیا کے حالات سے ہمیشہ باخبر رہتے ہیں۔اور اپنے سفری پروگرام انہی خبروں کی روشنی میں مرتب کرتے ہیں۔

جس طرح سے ذرائع ابلاغ نے ترقی کی ہے ۔اسی طرح خبر سازی میں بھی بہت انقلابی تبدیلی آئی ہے۔خبر کا معیار اس کی صداقت سے زیادہ اس بات پر توجہ ہوتی ہے کہ اس کے نشر کرنے پر کیسی سنسنی پھیلاتی ہے؟ اور کتنے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ وطن عزیز کو اس کا کیا فائدہ یا نقصان ہوا؟

اس وقت پوری دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور اور منافع بخش شعبہ یہی صحافت ہے۔ تمام چینلز اور اخبارات کے درمیان سخت مقابلہ جاری ہے۔کونسا اخبار زیادہ چھپتا ہے اور کونسا چینل زیادہ دیکھا جارہا ہے۔اس کے لیے ہیجان خیز خبریں، ناقابل یقین سٹوریاں اور پرکشش سرخیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سجائی جاتی ہیں۔

ذرائع ابلاغ میں کام کرنے والے صحافی وہ کسی بھی ذمہ داری پر ہوں۔ ان پر لازم آتا ہے کہ پورے صدق واخلاص، امانت ودیانت کے ساتھ اپنا فرض ادا کریں۔ لیکن نہایت دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارا میڈیا بے لگام ہے۔ انتہائی سرکش اور بے رحم ہے۔ اسے ذرا بھی یہ خیال نہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ ایک دن اس کی جوابدھی بھی ہوگی۔ معاشرے میں اباحیت اور فواحش کے فروغ میں دن رات کردار ادا کر رہا ہے۔ اسلامی اخلاقیات اور شعار کا کھلے عام مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ بدزبان، اخلاق سے گری ہوئی گفتگو، الزام تراشی، عیب جوئی، مفروضوں پر مبنی کہانیاں سنا کر اپنا ریٹ بڑھاتے ہیں۔ نہ شرم نہ حیا۔ اس قدر بے غیرت ہیں کہ صحیح بات معلوم ہونے کے باوجود ذرا بھی شرمندگی کا اظہار نہیں کرتے۔ حقیقت معلوم ہونے پر بھی بڑی بے شرمی سے بات کا دفاع کریں گے۔ دوسروں کو ذلیل یا شرمندہ کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اب حال ہی میں مسلم لیگ ن نے جڑانوالہ میں جلسہ عام منعقد کیا۔ لوگوں کی بڑی تعداد اس میں شریک تھی۔ کسی خاتون صحافی نے ایک معروف کالم نگار سے اس پر تبصرہ کرنے کے لیے کہا تو اس نے بڑی ڈھٹائی سے فرمایا کہ تعداد تو معمولی ہے۔ اتنے لوگ تو عمران خاں کے اردگرد ویسے جمع ہو جاتے ہیں۔ وہ اگر کسی سڑک پر سیر کے لیے نکلے اس سے بڑا اجتماع ہو سکتا ہے۔ خاتون نے یاد دلایا کہ ابھی مال روڈ پر تو ان کا جلسہ نہایت ناکام ہوا ہے۔ پھر آئیں بائیں شائیں۔ کوئی جواب نہ تھا۔ یہی حال اب ڈاکٹر شاہد مسعود کا ہے۔ ہمیشہ ہیجان خیز خبریں اور تبصرے نشر کرتا ہے۔ اور ایسی خبریں اور معلومات کہ لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ اب پہلی مرتبہ عدالت نے اس سے ثبوت مانگے۔ تو سو فیصد جھوٹا نکلا۔ معلوم نہیں یہ لوگ کس بنیاد پر میدان صحافت میں آئے ہیں۔

پاکستان کے ایک معروف اور اسلامی رجحان رکھنے والے صحافی انصار عباسی کئی دنوں سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ کہ پاکستانی میڈیا کو لگام دو اس کا محاسبہ کرو۔ اسے کسی ضابطے میں لاؤ۔ ورنہ پاکستانی کلچر کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ بلاشبہ ان کی بات سے دو سو مرتبہ اتفاق ہے کہ سارے چینلز ایک خاص ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ لوگوں کو اسلام اور اسکی تعلیمات سے متنفر کر رہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ دیندار اور خاص کر علماء کو بدنام کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ کوئی ایسا شخص پکڑا جائے جس کی داڑھی ہو۔ تو یہ میڈیا والوں کی چاندنی بن جاتی ہے۔ اس کی تصویر اور خبر بار بار نشر کی جائے گی۔ کوئی لڑکی گھر سے بھاگ کر شادی کرلے اور یہ معاملہ پولیس یا عدالت میں آجائے پھر خیر نہیں۔ پورا پورا پروگرام اس پر چلتا ہے۔ اور لائیو پروگرام نشر ہوتا ہے۔

اب حال ہی میں قصور میں المناک واقعہ رونما ہوا۔ واقعے سے بڑا حادثہ یہ ہوا کہ ان میڈیا والوں نے جس انداز سے اسکو پیش کیا۔ ہر شریف آدمی کا سر شرم سے جھک گیا۔ مگر انہیں ذرا احساس نہیں ہوا۔ کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک اسکی منظر کشی کرتا ہے۔ بار بار بچی کی تصویر والدین کے تاثرات دیئے جاتے رہے۔ آخر یہ میڈیا کیا ثابت کرنا چاہتا تھا۔

وہ لوگ جو مختلف ممالک میں آتے جاتے ہیں۔ انہوں نے وہاں کا میڈیا بھی دیکھا ہوگا۔ سعودی عرب، ترکی، ایران، انڈونیشیا، سری لنکا، جرمنی، بلجیم، سپین، عرب امارات۔ آخر ان کے ہاں بھی آزادی اور حریت ہے۔ لیکن یہ آزادی اور حریت کے ضابطے اور حد بندی ہے۔ خبروں کے ساتھ جو تبصرے آتے ہیں۔ نہایت مثبت اور تنقید بھی دلائل کے ساتھ۔ محض چرب لسانی نہیں۔ تعلیم، تجارت، سائنسی ایجادات، داخلی و خارجہ پالیسیاں، ایسے نہایت اہم موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔

لیکن ہمارے ہاں کا میڈیا اتنا بے ہودہ اور لچر ہے کہ جس میں جنسی مالشیے نفسیاتی مریض اور بکاؤ لوگ جو محض مال بنانے کے چکر میں دوسروں کی پگڑیاں اچھال رہے ہیں۔ ذاتیات کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ بہو بیٹیوں پر تبصرے ہوتے ہیں۔

معلوم نہیں حکومت اور خاص کر پیمرا اتنا بے بس کیوں ہے جو انہیں کسی ضابطے کے تابع نہیں کرتا۔ ان صحافیوں نے اتنا خوف پیدا کر دیا کہ ان پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہے۔ کئی مرتبہ اعلیٰ سطحی اجلاسوں میں یہ بات زیر بحث آئی۔ کہ ان تمام ٹی وی چینلز کے مالکان کو بلا کر ضابطہ اخلاق بنایا جائے۔ اور یہ گندی اور زرد صحافت کا خاتمہ کیا جائے۔ لیکن کبھی بھی اس پر عمل نہیں ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب بہت سے اچھے صحافی اور دردمند پاکستانی یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ اگر وطن عزیز سے تشدد، دہشت گردی، فحاشی اور جرائم کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ تو فوری طور پر میڈیا کو لگام دو اور اسے کسی ضابطے کا پابند بناؤ۔ اگر اس پر سنجیدگی سے غور نہ ہوا۔ اور عملی شکل نظر نہ آئی۔ تو مستقبل قریب میں جو حادثات رونما ہونگے۔ اسکی ساری ذمہ داری میڈیا کے ساتھ ان ذمہ داروں پر آئے گی۔ جو ذرائع ابلاغ کو کنٹرول کر سکتے تھے۔ اس لیے ہماری تمام حکومتی اداروں سے گذارش ہے۔ آنکھیں اور کان کھول کر حالات کا جائز لیں۔ اور آنے والے طوفان کی چاپ سنیں۔ اور فوری اقدامات اٹھائیں۔ اور انہیں آئین وقانون کا پابند بنائیں۔ اور سختی سے ضابطہ اخلاق کی پابندی کرائیں۔ حکومت اگر مخلص ہو اور انہیں راہ راست پر لانا چاہے تو کوئی مشکل نہیں۔ جیسا کہ لاوڈ سپیکر آرڈیننس پر عمل کرایا گیا۔ جو کہ بہت مشکل عمل تھا۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے۔ چند بدنام زمانہ بلیک میلر اور بدزبان لوگوں کو پکڑ لیا جائے تو سارا معاملہ ٹھیک ہوجائے گا۔

هل يستوى الاعمى والبصير

پاکستان میں صحافت ایسا منہ زور گھوڑا ہے کہ جس طرف چاہے بھاگ نکلے۔ کوئی ضابطہ اخلاق اور حدود وقیود نہیں۔ جو چاہے جس موضوع پر دل کرے کالم جڑ دے۔ معلومات صحیح ہوں یا غلط اس کی پرواہ نہیں۔ کالم لمبا اور وزن دار ہونا چاہیے۔ دہاڑی دار یہ لوگ جن کا صحافت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ بس اخبار کے مالک سے تعلق یا دوستی ہونی چاہیے۔ یہی صحافی بننے کی قابلیت ہے۔ ابھی چند دن قبل ایک دانش ور نے بہت خوب تبصرہ کیا کہ باقاعدہ صحافت میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بے روزگار ہیں۔ اداکار اور مسخرے اس شعبے پر مسلط ہوگئے ہیں۔ بالکل صحیح! ذرائع ابلاغ میں منہ پھٹ' بھکاؤ مال اور کمینے لوگ زیادہ نظر آتے ہیں۔ "الا مارحم ربی"

یوں تو پاکستان میں بہت سے موضوعات ہیں جن پر لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ اور جو یقیناً ایسے مسائل ہیں۔ جس پر حکومت اور عوام کی توجہ مبذول کرانے کی ضرورت ہے۔ مثلاً

© ra[redacted]m

© rasailojaraid.com

تعلیم و تربیت' صحت اور اس کی مبادیات' صفائی' ملاوٹ کے بغیر خوراک' ٹریفک اور اس کے قوانین' وغیرہ وغیرہ۔ لوگوں میں شعور پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن کچھ مسائل ایسے ہیں جن پر لکھنے والے محض کالم کا پیٹ بھرتے ہیں۔ اور تفریح طبع کے ساتھ اپنا خبث باطن ظاہر کرتے ہیں۔ خاص کر دینی مدارس ان کا دلچسپ موضوع ہے۔ لیکن مقام افسوس وہ دینی مدارس کے مسائل سے بالکل واقف نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ مدارس کے اصل مسائل کیا ہیں؟ ان کا نصاب اور نظام کیا ہے؟ واضح لفظوں میں سو فیصد جاہل! جو شخص مسائل سے آگاہ نہ ہو۔ وہ اصلاح کے لیے کیا تجاویز دے گا۔

گذشتہ دنوں روزنامہ ایکسپریس فیصل آباد میں جناب جمیل مرغز کا کالم دینی مدارس میں اصلاحات شائع ہوا۔ کالم میں اصلاحی تجاویز کے علاوہ وہ سب تھا جو ذہنی اور فکری آلودگی ان کے دماغوں میں موجود ہے۔ مثلاً مدارس اور مساجد پر بے جا تنقید' مذہبی جلوس پر تبصرہ' من گھڑت اور مفروضوں پر مبنی رپورٹوں کا حوالہ۔ کہ 2013 میں ایسے 500 مدارس رجسٹرڈ ہوئے جو فرقہ واریت کی تعلیم دیتے ہیں۔ دینی مدارس کے طلبہ کو جلسے اور جلوسوں میں رونق بڑھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور آخر میں تان یہاں آ کر ٹوٹتی ہے کہ انہیں عصری مضامین انگلش اور سائنسی مضامین پڑھائے جائیں۔

کاش موصوف نے اس مغزماری سے پہلے کسی مدرسے کا معائنہ کیا ہوتا۔ یا کسی ذمہ دار سے معلومات لی ہوتیں۔ تو شاید ان کی کاوش با مقصد اور مفید ہوتی۔ انہوں نے جن باتوں کا اظہار کیا اس کا مدارس سے کوئی تعلق نہیں! اب مدارس وفاق المدارس یا تنظیمات سے منسلک ہیں۔ پورے ملک میں ایک نظام اور اپنے مسلک کے مطابق نصاب ہے۔ سالانہ امتحانات شعبان میں منعقد ہوتے ہیں۔ اور باقاعدہ منظم و مرتب طریقے سے انعقاد پذیر ہوتے ہیں۔ امتحانات میں شفافیت کا اہتمام ہوتا ہے۔ کسی جگہ بوٹی مافیا کا تصور نہیں۔

موصوف کا یہ فرمانا کہ 2013ء میں 500 مدارس رجسٹرڈ ہوئے جو فرقہ وارانہ تعلیم دیتے ہیں۔ کاش وہ اپنے کالم میں ان میں سے چند ایک کا نام و پتہ بھی درج کر دیتے۔ تاکہ ہمیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ان کے بارے میں علم ہوتا۔ ایسے مبہم دعوے لغو اور بے معنی ہوتے ہیں۔ جس کا مقصد عوام کو گمراہ کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

ان کا یہ فرمانا کہ طلبہ کو جلسے اور جلوسوں کی رونق بڑھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہ بھی موصوف کی غلط فہمی ہے۔ ادارے کے تحت اگر جلسہ کانفرنس منعقد ہو۔ تو اس میں اساتذہ اور طلبہ شریک ہوتے ہیں۔ لیکن آج تک کسی بھی ایسے اجتماعات میں شامل نہیں ہوتے۔ جن کا تعلق ادارے کے ساتھ نہ ہو۔ البتہ یونیورسٹیوں کے طلبہ اور طالبات دھرنوں میں شریک ہو کر جو کھیل کھیلتے رہے ہیں۔ ایک زمانہ ان کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ ان پر کچھ لکھتے ہوئے ان کے پر جلتے ہیں۔ رہی بات عصری علوم کے ساتھ سائنسی تعلیم کا اہتمام۔ یہ مطالبہ وہی شخص کرتا ہے جس کا تعلیم کے شعبے سے دور کا تعلق بھی نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں تعلیم مختلف شعبوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ میڈیکل' انجینئرنگ' سائنس' کمپیوٹر سائنس' ایم بی اے' وغیرہ وغیرہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے شعبے کے بارے میں نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ اسلامیات اور دینیات کے بارے میں تو بالکل کچھ نہیں جانتے۔ اس کے باوجود آج تک کسی نے ان سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ میڈیکل کے طالب علم کو انجینئرنگ بھی پڑھائی جائے۔ اسے نقشہ نویس بھی بنایا جائے۔ اسے کم از کم قرآن اور اس کا ترجمہ سکھلایا جائے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کے لیے یہ اس قدر پریشان ہوتے ہیں۔ کہ انہیں یہ سب کچھ پڑھا دیا جائے۔ جبکہ فراغت کے بعد ان کا دائرہ عمل بھی دعوت دین اور اس کی تدریس ہے۔ رہی بات ملازمت کی تو وہ لوگ جنہوں نے یونیورسٹیوں سے پڑھا۔ سب سے زیادہ بے روزگار ہیں۔ اور ملازمت کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔ پہلے ان کی فکر کر لیں۔ دینی مدارس کے فضلاء بحمداللہ کبھی بھی ملازمت کا مطالبہ نہیں کرتے۔

ہماری گذارش ہے کہ دینی مدارس پر بات کرنے سے پہلے ان کے بارے میں مکمل معلومات لی جائیں۔ اور زمینی حقیقت کے مطابق بات کی جائے۔ کوئی بھی ادارہ ایسا نہیں جو ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ انہیں صرف کمزوریاں ہی نظر آتی ہیں۔ ان میں جو خوبیاں اور اعلیٰ نظام ہے۔ وہ اس پر بات کیوں نہیں کرتے۔ شاید ان کی روٹی روزی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔؟ فیا للعجب

☆☆☆☆

© rasailojaraid.com